حضرت مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہ

# جنگ آزادی میں علماء کا قائدانہ کردار

مولانا آزاد کی برسی کے موقع پر مولانا آزاد اکیڈمی کی طرف سے ایک تقریب گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں منعقد کی گئی تھی جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مصری وزیر اوقاف اور ممتاز عالم ڈاکٹر عبدالمنعم النمر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے تقریر کی اور مولانا آزاد کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس نکتہ کو واضح کیا کہ علماء کا ہمیشہ یہ شعار رہا ہے کہ انہوں نے نہ صرف جنگ آزادی میں حصہ لیا بلکہ اس میں قائدانہ کردار بھی ادا کیا ہے۔

مولانا کی یہ تقریر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

صدر گرامی و حاضرین جلسہ!

میں آج یہاں بہت عرصہ کے بعد گنگا پرشاد میموریل ہال میں حاضر ہوا ہوں۔ میں اسی کے پڑوس میں رہنے والا ہوں میری عمر لکھنؤ میں گذری یہیں پڑھا لکھا۔ یہاں آنے پر میرے حافظہ نے پچاس سال کی مسافت بجلی کی رفتار سے طے کر لی۔ اور مجھے وہ وقت یاد آیا جب شاید میری آنکھیں مولانا آزاد کے دیدار سے پہلی مرتبہ روشن ہوئی تھیں۔ میری عمر شاید چودہ پندرہ سال رہی ہوگی۔ یہ سن کر کہ مولانا آزاد کی تقریر گنگا پرشاد میموریل ہال میں ہونے والی ہے۔ میں بھی ایک تماشائی کی حیثیت سے یہاں حاضر ہوا۔

ایک چھوٹا سا واقعہ جس میں مولانا آزاد ہی نہیں بلکہ جس طبقہ سے وہ تعلق رکھتے تھے اس کی عظمت ہی نہیں بلکہ اس کی ذہنیت اور اس کے طریق فکر اور طرز زندگی کی پوری عکاسی ہے۔ میں آپ کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔ مولانا آزاد نے یہاں تقریر کی اور یہ وہ وقت تھا کہ جب ہندوستان میں صحیح معنوں میں ان کا طوطی بولتا تھا جیسا

میں نے لکھا ہے کہ "الہلال" کا "سحر حلال" جادو اس وقت سب کے سر پر چڑھ کر بولتا تھا۔ ان کی کمان چڑھی ہوئی تھی اور ان کا تیر خطا نہیں جاتا تھا۔ وہ زمانہ تھا جب وہ یہاں آئے سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ سب کی آنکھوں کا نور تھے۔ انہوں نے یہاں سیاسی موضوع پر تقریر کی۔ لیکن اسی دوران میں مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ مجھے خوب یاد ہے اس ہال کے پیچھے ایک کشادہ جگہ تھی۔ وہاں مجمع کا وہ حصہ تھا جو نماز کا پابند تھا۔ امامت مولانا آزاد نے کی۔ مجھے بھی یہ سعادت حاصل ہوئی۔ میں نے ان کے پیچھے مغرب کی پڑھی۔ چھوٹی سی بات ہے معمولی سا واقعہ ہے۔ مسلمان کی زندگی، اس کے عقائد اور معمولات کے لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ لیکن میں اس سے ایک بہت بڑا نتیجہ نکالتا ہوں۔ یہ واقعہ کہ یہاں پر اس اسٹیج پر تقریر یہ اور انگریز کی حکومت کو للکارنا جس کے متعلق کہا جاتا تھا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اتنی وسیع ہے کہ سورج اس کی قلمرو میں غروب نہیں ہوتا۔ وہ شیر جو یہاں گرج رہا تھا اور برطانیہ کو چیلنج کر رہا تھا۔ اس کے دبدبہ اس کی سلطنت کو رعب وہ اپنے پورے شباب پر تھا) وہ شیر خدا کے سامنے سجدہ ریز تھا۔ یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن بہت بڑی بات ہے یہی اس طبقہ کی اصل تصویر ہے جس کی امامت مولانا آزاد نے کی۔ اور جس سے مولانا آزاد کا شروع سے آخر تک تعلق رہا۔ اور جس تعلق کو انہوں نے کبھی بھی ٹوٹنے نہیں دیا۔ وہ صحیح معنوں میں اس شعر کی تصویر تھے ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن

؎ یوں کئے کس نے بہم جام و سنداں دونوں

یہاں ساغر و سنداں، یہاں وہ گرج جو شیروں کا پتہ پانی کردے اور وہاں وہ عاجزی و نیاز کو جس کو دیکھ کر انسان کو اپنی حقیقت معلوم ہو۔ اس کو مولانا آزاد نے اپنی ذات میں جمع کیا۔ اور ان کا اس طبقہ سے اول سے آخر تک تعلق رہا۔ جو ان دونوں کو عزیز رکھتا تھا۔ اور ہم ہندوستانی مسلمانوں کا عمومیت کے ساتھ اور اس طبقہ کا جس کے ساتھ مولانا آزاد کا تعلق تھا جس کی بہترین روایات کے وہ حامل تھے۔ اور جس کی انہوں نے پورے طور پر ترجمان القرآن میں ترجمانی کی ہے۔ اس طبقہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے جس طرح محراب و منبر پر اپنی نیاز کا، اپنی عجز و عاجزی کا اظہار کیا اسی طرح حکومت وقت کے سامنے اپنی خودداری و غیرت کا اظہار کیا۔ یوں تو اپنی خودداری و غیرت کا اظہار کیا یوں تو اپنی معلومات اور اپنے محدود مطالعہ کے مطابق کہہ سکتا ہوں۔ ہمارے یہ صدر محترم ڈاکٹر عبدالمنعم النمر جو میرے بائیں تشریف فرما ہیں جن کی تقریر سے افتتاح ہوا ہے اس جلسہ کا۔ میرے عزیز اور قابل احترام دوست ہیں۔ ان کے ملک کو یہ فخر حاصل ہے۔ میں ہندوستان کا ہندوستانی مسلمانوں کا مرتبہ اونچا کرنے کے لئے کسی دوسرے ملک کے ساتھ ناانصافی کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ میں تاریخ کا ایک طالب علم ہوں اور تاریخ کے طالب علم اور تاریخ نویس کو منصف اور حقیقت پسند ہونا چاہئے۔ مصر کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ جامع ازہر نے وہاں کی تحریک آزادی کی قیادت کی۔ انگریزوں نے بہت جلد یہ سمجھ لیا کہ ان کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ ان کی حکومت و اقتدار اور ان کے دبدبہ کے لئے سب سے زیادہ

نقصان وہ ان کی حکومت و اقتدار اور ان کے دبدبہ کے لئے سب سے زیادہ مضر اگر کوئی قلعہ ہو سکتا ہے تو وہ ازہر کا قلعہ ہے۔ جن لوگوں نے مصر کی تاریخ پڑھی ہے اور شیخ جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہ، مصطفیٰ کامل اور مصر کی تحریک آزادی پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ ازہر نے کیا قائدانہ کردار ادا کیا۔ یہی کردار یہاں کے ہندوستان کے مسلمانوں نے ادا کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا ہندوستانی علماء کا قدم کچھ آگے ہی رہا جس کا اعتراف ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر عبدالمنعم النمر نے کیا ہے۔

ہندوستان کے علماء نے جنگ آزادی میں جو حصہ لیا میں ان الفاظ کو علماء کے لئے ازالہ حیثیت عرفی کے مرادف سمجھتا ہوں۔ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ ہندوستانی مسلمان اور ہندوستان کے علماء نے جنگ آزادی کی سربراہی کی اور تحریک آزادی کی قیادت و رہنمائی کی۔ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے سرفروش وجانباز ساتھیوں نے جن میں خاندان صادق پور کے لوگوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ انہوں نے دار و رسن اور میدانِ جنگ کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دیا۔ انہوں نے انگریزوں کے چھکے چھڑا دیئے اور اتنا عاجز کیا کہ برطانوی پارلیمنٹ میں بار بار سوالات ہوتے کہ ہندوستان کی حکومت اتنی زیربار کیوں ہو رہی ہے۔ اس نے اس شورش کا قلع قمع کیوں نہیں کیا۔ اس کا جواب دیا جاتے۔ ایک ایسا زمانہ آیا کہ وائسرائے (اس وقت وائسرائے نہیں ہوتے تھے بلکہ گورنر جنرل ہوتے تھے) کی حفاظت کے دستے میں چند سپاہی رہ گئے تھے اور باقی پوری فوج ہندوستان کی مغربی شمالی سرحد کے مورچے پر جھونک دی گئی تھی۔ جہاں ہندوستان کے مجاہدین نے مورچہ بنا لیا تھا اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے جانشینوں نے مقابلہ کیا تھا۔ پھر اس کے بعد شاملی کا میدان جس کے بعض قائدین کا ڈاکٹر عبدالمنعم النمر نے نام لیا ہے اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی جس کے قائد تھے۔ انہوں نے شاملی کے میدان میں انگریزوں سے مورچہ لیا۔ حافظ ضامن شہید وہاں شہید ہوئے۔ اس کے بعد ۱۸۶۴ء میں دی گریٹ وہابی کیس کے نام سے کیس چلا۔ اور ان کو پھانسی اور کالے پانی کی سزائیں دی گئیں۔ یہاں کے علماء میں سے چند کے نام میں بھی جانتا ہوں۔

مولانا یحییٰ علی صاحب۔ مولانا احمد اللہ صاحب صادق پوری کہ انہوں نے وہیں کالے پانی میں اپنی زندگی کے دن پورے کئے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی نے وہاں کئی سال کاٹے۔ اور مولانا عنایت علی صاحب کاکوری نے وہاں بڑی بڑی شاندار کتابیں لکھیں۔ تاریخ کی روشنی میں میں پورے وثوق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ تقریباً ہر ملک کے علماء کا شعار رہا ہے۔ کہ انہوں نے جنگ آزادی میں اور بیرونی استعمار کا مقابلہ کرنے میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ اس کی قیادت کی۔ اس لئے کہ مسلمانوں کا مزاج ہمیشہ سے دینی رہا ہے۔ اگر آپ اس نکتہ کو سمجھ جائیں اور کاش ہمارے اس وقت کے سیاسی لیڈر دانشور اور مفکرین اگر اس نکتہ کو سمجھ جاتے کہ ع

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

ہزار انقلابات کے باوجود بھی اس کا مزاج جو ہے وہ مذہبی ہے اس پر اثر انہی لوگوں کا پڑ سکتا ہے جن کے پاس مذہبی اپیل ہے جو مذہبی طور پر اس کے جذبات کو متاثر کر سکتے ہوں اور اس کو مطمئن کر سکتے ہوں۔ اس لئے کہ یہ ایک نفسیاتی اور انسانی حقیقت ہے۔ کہ ہر ملک میں وہی تحریک آزادی کامیاب ہوئی اور جنگ آزادی کا نتیجہ نکلا جس کی قیادت میں مذہبی عنصر شامل تھا اور جہاں مذہبی زبان بولی گئی۔

میں خاص طور پر الجیریا کا نام لیتا ہوں۔ الجزائر نے جب اعلان جہاد کیا فرانس کے مقابلہ میں۔ اور اس عہد کی تاریخ میں اس سے زیادہ قربانی اور کوئی ملک پیش نہیں کر سکتا۔ (میں کسی ملک کی قربانیوں کی تحقیر نہیں کرتا۔ میں خود ہندوستان کی تاریخ پر فخر کرتا ہوں اس پر اپنا حق سمجھتا ہوں) واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک جسمانی قربانی کا تعلق ہے سو برس کے اندر کسی ملک نے اتنے شہیدوں کا خون پیش نہیں کیا۔ اور اتنے شہیدوں کے سر نہیں پیش کئے۔ جتنا کہ الجیریا (الجزائر) نے پیش کئے۔ یہ ساری لڑائی مذہب کے نام پر لڑی گئی۔ آپ اس وقت کے فرنچ اخبارات کو دیکھیں جو وہاں سے نکلتے تھے۔ کہ اتنے فرانسیسی مقتول ہوتے اتنے مجاہدین مقتول ہوتے۔ عربوں تک کا نام نہیں ہوتا تھا (معاف کیا جاتے قومیت عربیہ کا حصہ اس میں نہ ہونے کے برابر ہے) یہ خالص مذہبی جنگ تھی۔ مسلمان اپنے دین کی رو سے اپنے مذہب کی رو سے قرآن وحدیث کی تعلیمات کی رو سے اس بات کے پابند ہیں کہ وہ غیر ملکی اقتدار کو قبول نہ کریں۔ ان کا قرآن ان سے یہ مطالبہ کرتا ہے۔ دین وشریعت ان سے یہ مطالبہ کرتی ہے۔ اس لئے مسلمان کے لئے جو زبان آج سے ہزار برس پہلے قابل فہم تھی۔ جس زبان میں جادو کا اثر تھا۔ اور جس میں مقناطیس کا اثر تھا۔ جو زبان ان کے دلوں کی گہرائیوں کو چھوتی تھی۔ وہ زبان (معاف کیا جائے) سیاسی زبان نہیں ہے۔ یا اگر میں زیادہ احتیاط سے کام لوں تو خالص سیاسی زبان نہیں ہے وہ یا تو مذہبی زبان ہے یا نیم مذہبی زبان ہے۔ جس کو علماء نے سمجھا۔ صرف وہی جنگ آزادی کامیاب ہوئی۔ وہی جنگ آزادی اپنی منزل تک پہنچی۔ اس کے صحیح نتائج ظاہر ہوئے۔ جہاں مسلمانوں کے مزاج کو سمجھ کر ان سے نیم سیاسی، نیم مذہبی زبان میں خطاب کیا گیا۔ اور یہی راز ہے یہاں کی جنگ آزادی کی کامیابی کا اور جس طریقہ کی یہاں سر دھڑ کی بازی لگائی گئی اس میں یہی راز ہے کہ ان کی قیادت کرنے میں میدان جنگ میں ان کے سامنے جو لوگ آئے وہ اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مجھے اس سے بہتر موقع شاید نہ مل سکے کہ اس بات کا اعلان کروں کہ افسوس ہے ہندوستان کی تاریخ کے اس زریں ورق کو دبا دیا گیا۔ میں نہیں کہتا کہ سیاہی پھیری گئی ہے لیکن اس کو دبا ضرور دیا گیا ہے۔ یہ ورق ہرگز ہماری تاریخ سے خارج ہونے کا مستحق نہیں تھا۔ یہاں کی ہر چیز ہماری ملکیت ہے ہمیں اس پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔ کہ یہاں کے مسلمانوں نے اگر قربانیاں دیں۔ تو اس ملک کو آزاد کرنے کے لئے قربانیاں دیں۔ آپ ان کی فراخدلی ان کی دوربینی ان کی بلند نگاہی کو دیکھیں۔ سید احمد شہیدؒ کے خطوط پڑھیں جو انہوں نے مہاراج گوالیار کے نام لکھے ہیں۔ آج بڑے سے بڑے سیاستدان۔ بڑے سے بڑے سیاسی مبصر۔ بڑے

سے بڑے سیاستدان۔ بڑے سے بڑے سیاسی مبصر، بڑے سے بڑے لیڈر کی نظر میں وہ وسعت وہ دوربینی نہیں انگریزوں کی حکومت کے جن خطرات کی نشاندہی انہوں نے کی تھی انہوں نے بتا دیا کہ یہ حکومت سرطان کی طرح ملک میں پھیل رہی ہے جس نے عزت والوں کی عزت خاک میں ملا دی ہے۔ نہ مسلمان اس بے عزتی سے محفوظ ہیں نہ ہندو۔ انہوں نے کہا کہ آپ اطمینان سے نہ بیٹھیں یہ ریاستیں باقی نہیں رہیں گی۔ یہاں کسی عزت والے کی عزت محفوظ نہیں رہے گی اور پھر ہیں ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا　　　کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

سلطان ٹیپو شہید کا نام لیتا ہوں جس نے کہا تھا کہ "شیر کی زندگی کا ایک سال گیدڑ کی زندگی کے سو سال سے بہتر ہے"۔ ٹیپو سلطان وہ مرد دور اندیش اور مرد دوربین تھا جس نے سلطنت ترکی اور اس کے عثمانی خلیفہ کو یہاں سے خط لکھے ہیں کہ آئیے ہم آپ دونوں تعاون کر کے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالیں ورنہ نہ ہندوستان رہے گا اور نہ ترکی۔ کارنامے کی اہمیت دوربینی کی عظمت اپنے اپنے زمانہ سے ناپی جاتی ہے۔ کس زمانہ میں یہ بات کہی گئی ہے آج اگر یہ بات مولانا محمد علی جوہر یا گاندھی جی نے یہ بات کہی اور مجھے معاف کیجئے میں صاف کہوں کہ مولانا آزاد نے "الہلال" کے صفحات پر یہ بات کہی تو وہ اتنی قابلِ تعریف نہیں۔ لیکن سلطان جس محدود ماحول کا پروان چڑھا ہوا تھا وہاں بیٹھ کر سلطان ترکی سے خط وکتابت کرتا اور کہتا ہے کہ اطمینان نہ رکھئے آپ کی یہ حکومت اور یہ امپائر خطرہ میں ہے۔ اگر آپ نے اس وقت موقع شناسی اور دوربینی سے کام نہ لیا اور ہم آپ نے مل کر انگریزوں کے اس عفریت کو ہندوستان سے نہ نکالا تو یاد رکھئے نہ ہم باقی رہیں گے اور نہ آپ باقی رہیں گے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے بالعموم اور طبقہ علماء نے بالخصوص قائدانہ کردار ادا کیا ہے انہوں نے رہنمائی کی ہے۔ انہوں نے بہترین خون، بہترین فکر اور بہترین ذہن عطا کیا ہے۔ ہماری تحریک آزادی کو، ان کا ہاتھ ہمیشہ اپنے ملک اور زمانہ کی نبض پر رہا۔ وہ ملک وملت اور انسانیت کے دل کی دھڑکن سمجھتے رہے اور اس کے ساتھ انہوں نے ہندوستان کی زندگی میں بھی جم کر حصہ لیا۔ یہاں کی ادبیات میں یہاں کی زبان کو ترقی دینے میں، یہاں کے تعلقات کو خوش گوار بنانے میں۔ یہاں بقاء باہمی کے اصول کو جاری کرنے میں، انسانیت کا پیام دینے میں انہوں نے ہمیشہ قائدانہ کردار ادا کیا۔

مجھے خوشی ہے کہ آج علماء ہند کے ان کارناموں اور انکی خدمات کا یہ اعتراف اور ان کے سرخیل مولانا ابوالکلام آزاد کی عظمت، ان کی بڑائی کا اعتراف ہم کسی ہندوستانی عالم یا کسی ہندوستانی مقرر کی زبان سے نہیں بلکہ مصر کے ایک ممتاز عالم و مصنف کی زبان سے سن رہے ہیں۔